پروفیسر مولانا علم الدین سالک
مرتب: پروفیسر احسان الٰہی سالک

مُراد بیگم عُرف مُغلانی بیگم

اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں پنجاب کے صوبے میں بہت سی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں ناموری حاصل کر کے پنجاب کے نام کو چار چاند لگا دیے۔ ان ہی نامور ہستیوں میں ایک مراد بیگم عرف "مُغلانی بیگم" ہے۔ اس نے نسوانی کمزوریوں اور مجبوریوں کے باوجود سیاست، سپاہ گری، تدبر اور حکومت کی گرتی ہوئی دیواروں کو کچھ مدت کے لیے سنبھالا دیا اور اسے گرنے اور منہدم ہونے سے بچا لیا۔

یہ نامور خاتون عبدالصمد خان ناظم پنجاب (۲۶-۱۷۱۳ء) کی نواسی اور دُردانہ بیگم خواہر نواب زکریا خان ناظم پنجاب (۴۵-۱۷۲۶ء) اور جانی خان نظامت پنجاب کے ایک زبردست رکن کی بیٹی تھی۔ اس کا خاوند معین الملک عرف میر منو ناظم پنجاب (۵۳-۱۷۴۸ء) تھا جو دہلی کے وکیل السلطنت نواب قمرالدین خان کا بیٹا تھا۔ نواب قمرالدین خان وکالت اور نقابت کے عہدۂ جلیلہ پر چوبیس برس تک (۴۸-۱۷۲۴ء) فائز رہا۔

جب وہ پیدا ہوئی تو خاندان والوں نے اس کا نام ثریا بیگم رکھا اور شادی کے بعد سسرال والوں نے اُسے مراد بیگم کے نام سے پکارا۔ مگر تاریخ کے اوراق مغلانی بیگم کے نام سے شہرت دیتے ہیں، اور آج بھی وہ مورخوں کے وسیع حلقے میں اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات کسی مورخ نے قلم بند نہیں کیے۔ کیونکہ ہمارے مورخوں کی عام روش یہ ہے کہ ان کی تاریخ درباری سازشوں کے واقعات سے بھرپور ہوتی ہے۔ وہ بادشاہوں کی ذات کو مرکز بنا کر صرف انہی واقعات کو بیان کرتے ہیں، جن میں ان کے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت کا افسانہ مضمر ہوتا ہے۔ اس لیے عام تحریکات کا ذکر بہت کم ہوتا ہے اور یہ بھی کسے علم تھا کہ آج کی ایک ناتواں اور بے کس لڑکی کل کلاں تاریخ میں اتنا اہم کردار ادا کرے گی کہ تین چار برس تک کی تاریخ اور تاریخی واقعات اسی کی نقل و حرکت کا نام ہوگا۔ جہاں اس کی ذات میں سکون و جمود پیدا ہوگا وہاں واقعات

کے دھارے خود بخود رُک جائیں گے۔

اس اہم اور نازک دَور کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اگرچہ وہ غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کی مالک تھی پھر بھی ان جوہروں کو چمکانے اور بروئے کار لانے کے لیے اعلیٰ تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی جو اُسے حاصل ہوئی، اور اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس وقت ایک ایسا نظامِ تعلیم رائج تھا جس میں تربیت کا پہلو غالب تھا اور تعلیم اصلی معنوں میں تعلیم تھی۔ تعلیم پانے کے بعد انسان اپنی فطری صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ ذاتی جوہر دبائے نہیں جاتے تھے بلکہ اُن کو جلادے کر ان میں مزید چمک دمک پیدا کر دی جاتی تھی۔ اسی واسطے ہم دیکھتے ہیں کہ متوسط بلکہ طبقہ غربا کے لوگ ترقی کرتے کرتے عروج و اقبال کے انتہائی زینے تک جا پہنچتے تھے۔ یہ اس وقت کی تعلیم اور تربیت کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ نیز تعلیم و تربیت کے مواقع امیر و غریب، شاہ و گدا کے لیے یکساں موجود تھے۔ ہر شخص خود وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، ان سے متمتع ہو سکتا تھا۔ کسی جماعت و فریق پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے محض اس لیے بند نہ ہوتے تھے کہ اس کے معاشی حالات خراب اور اقتصادی ذرائع محدود ہیں۔ تعلیم مفت ہوتی تھی۔ اس لیے ہر شخص خاطر خواہ تعلیم حاصل کر لیتا تھا۔

مغلانی بیگم نے ابتدائی ایام حیات میں اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ اُسے وہ تمام فنون سکھائے گئے جو اس وقت طبقہ شرفا میں متداول اور رائج تھے، کیوں کہ ہر باپ اور خاندان کا بزرگ اپنا فرض خیال کرتا تھا کہ اس کے خاندان کے تمام افراد ان تمام خوبیوں سے متصف ہوں جو انھیں ادب، اخلاق اور سیرت و کردار میں دوسروں سے ممتاز کر سکیں۔ لڑکیوں کے معاملے میں خاص احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کی فلاح اور خاندانوں کی تعمیر ان ہی کے دم سے وابستہ ہوتی ہے۔

مغلانی بیگم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اُسے کس قسم کی تعلیم و تربیت دی گئی تھی اور اس نے کس طرح اپنے آپ کو ان کے اعتماد کا اہل ثابت کیا۔ اس کی شادی کب ہوئی اور کس طرح سے ہوئی، اس کے متعلق ہمیں اس دَور کی تاریخوں سے کوئی اطلاع میسّر نہیں آتی ہے۔

معین الملک ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ اس نے زندگی کی تگ و دو میں قدم رکھتے ہی اپنے خاندانی وقار کو چار چاند لگا دیے۔ اس کا باپ سلطنتِ تیموریہ کا وزیرِ اعظم تھا، اس لیے سلطنت کی مدافعت و حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ اسی پر عائد ہوتی تھی۔ گو نادر شاہ کے حملے نے تیموریوں کی

عظیم الشان سلطنت کے وقار پر کاری ضرب لگا کر اس کی ساکھ بگاڑ دی تھی اور اس کے حریف جو اب تک اس کے جاہ و جلال سے دبکے بیٹھے تھے اب للچاتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگے تھے۔ مگر یہ گرتی ہوئی عمارت کچھ عرصے کے لیے اور تھم جاتی اگر دہلی کے تخت پر کوئی قابل، مستقل مزاج، مدبر اور جفاکش شہنشاہ متمکن ہوتا۔ لیکن اس وقت تیموریوں کا تخت محمد شاہ کے قدم چوم رہا تھا۔ اس کی آرام طلبی اور عیش پسندی کی وجہ سے چاروں طرف سے خودسری کے آثار نمایاں ہوئے اور سلطنت ایک عظیم الشان خطرے میں گھر گئی۔ نادر شاہ کے جانشین احمد شاہ ابدالی نے اسے اپنی حوصلہ مندی کی جولانگاہ کے لیے تاکا اور بار بار حملے کر کے اس کی رہی سہی ساکھ بھی مٹا دی۔ اس کے علاوہ پنجاب میں سکھوں کی شورش روز بروز بڑھ رہی تھی، ان کی غارت گری کی وجہ سے پنجاب تباہی اور بربادی کے سرپنجے میں گرفتار تھا۔ ان حالات میں بیرونی حملے کی مدافعت کے ساتھ ساتھ اندرونی دشمنوں کا قلع قمع کرنا بھی لازمی تھا اور پنجاب کے لیے ایک ایسے ناظم کی ضرورت تھی جو ان ہر دو خطرات پر بیک وقت قابو پا سکے۔

محمد شاہ کے آخری ایام حکومت میں قمر الدین خان وزیر اعظم نے بہت حد تک سلطنتِ دہلی کی شیرازہ بندی کی کوشش کی اور اس کے وقار اور اقتدار کو بحال کرنے کے لیے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ ۱۷۴۸ء میں سرہند کے مقام پر اس نے جان سے ہاتھ دھو کر احمد شاہ ابدالی کو شکست دی۔ اس شکست میں اس کے خلف الرشید معین الملک عرف میر منو کی شجاعت و لسالت کو بہت دخل تھا۔ شہنشاہ دہلی کی مایوس نگاہوں کو اس کی ذات میں امید کی سنہری کرن نظر آئی۔ اس لیے اس نے معین الملک کا پنجاب کی نظامت کے لیے انتخاب کیا تاکہ وہ سکھوں پر قابو پا کر داخلی شورش کو ختم کرے اور اس کے ساتھ ہی افغانی حملہ آوروں کو پنجاب سے آگے بڑھنے سے روک دے۔ وہ بہادر، بے باک، بلند ہمت اور متحمل مزاج تھا۔ یہی اوصاف اسے ہر معرکے میں کامیاب کر سکتے تھے۔ محمد شاہ نے جو اندازہ اس کے متعلق لگایا تھا وہ درست نکلا، اور غالباً سارے ایام حکومت میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے دور اندیشی اور تدبر کا ثبوت دیا اور معین الملک جیسے سپاہی آدمی کو سلطنت کی ہر حد پر نامزد کر کے بہت حد تک ملک کو غیر ملکی حملہ آوروں کی دست برد سے بچا لیا۔ مگر افسوس کہ معین الملک کی نظامت کی مدت بہت ہی قلیل ثابت ہوئی۔ یعنی ۱۷۴۸ء سے ۱۷۵۳ء تک زمام اختیار اس کے قبضے میں رہی۔ اس تھوڑے سے

عرصے میں بھی دو مرتبہ احمد شاہ پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ پہلا حملہ ۱۷۴۹ء میں اور دوسرا ۱۷۵۱ء میں ہوا۔ ان ہر دو مواقع پر جبکہ سلطنت کا وقار اور اقتدار خطرے میں تھا اور ہر خیر خواہ نتائج کے سلسلے میں ہراساں اور پریشان تھا، اور جب حکومت کے مفاد اور سلطنت کے استحکام کے نام پر ملک کے ہر قسم کے ذرائع معین الملک کے اختیار میں دے دینے چاہئیں تھے تاکہ وہ دل جمعی کے ساتھ ابدالی کے حملوں کا سدباب کرے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خود غرض اور مطلب پرست امیروں نے ایسا نہیں ہونے دیا میر منو کو دونوں مرتبہ تن تنہا مرکز کی اعانت کے بغیر اپنی قوت کے بھروسے پر ہی اس زبردست حریف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دوسرا حملہ نہایت خطرناک تھا۔ ابدالی نے چھ مہینے تک لاہور کو محصور کیے رکھا۔ تمام ذرائع رسل و رسائل کاٹ دیے۔ رسد کی راہیں بند کر دیں۔ آخر مجبور ہو کر معین الملک (میر منو) کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ابدالی اور میر منو کی ملاقات شالامار باغ میں ہوئی جہاں اور باتوں کے علاوہ جب ابدالی نے فاتحانہ انداز سے معین الملک سے سوال کیا کہ اگر میں شکست کھا کر اس طرح تمہارے سامنے پیش ہوتا تو تم کیا کرتے۔ میر منو نے نڈر ہو کر جواب دیا کہ میں تمہارا سر کاٹ کر شہنشاہ دہلی کے حضور میں بطور نذر پیش کرتا۔ ابدالی اس غیر متوقع جواب سے کھسیانہ سا ہو کر بولا کہ اس وقت تم مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟ معین الملک نے بلا جھجک کہا کہ اگر قصاب ہو تو سر حاضر ہے، اسے کاٹ لو، اور اگر بادشاہ ہو تو بادشاہوں جیسا سلوک کرو۔ ابدالی اس کی حاضر جوابی، دلیری اور صاف گوئی سے بے حد متاثر ہوا اور اس کی شجاعت کا اعتراف کرتے ہوئے اس نے نہ صرف معین الملک کو آزاد کر دیا بلکہ اسے نظامت پنجاب پر بحال کر کے خود افغانستان چلا گیا۔

اس طرح پنجاب کے اس ناظم کی بدولت تمام ہندوستان ایک زبردست حملہ آور کی مسلسل یورشوں سے محفوظ ہو گیا۔ اب اس نے داخلی معاملات کی طرف توجہ دی۔ اس وقت پنجاب میں سکھ بے حد تکلیف کا موجب بنے ہوئے تھے۔ وہ گروہ در گروہ اِدھر اُدھر پھرتے تھے۔ لوٹ مار اور غارت گری کرتے اور مخلوقِ خدا کو تنگ کرتے تھے۔ اہلِ پنجاب ان کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا تھے اور ایک عذابِ الیم ان پر مسلط تھا اور صوبے بھر کا امن و امان مختل ہو چکا تھا۔ رعایا ہر وقت خوف و ہراس میں مبتلا رہتی۔ معین الملک نے اس غارت گری کو روکنے کا تہیہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنے عزائم میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ اس قسم کے تمام گروہوں اور جماعتوں کی بیخ کنی

اور امن سوز کارروائیوں کو ضرور ختم کر دیتا اور پنجاب کو گہوارۂ امن و امان بنا کر اس کے لیے ترقی اور فلاح کی راہیں کھول دیتا۔

اس عالی حوصلہ ناظم کی وفات عجیب و غریب حالات میں واقع ہوئی اور یہ معمہ اب تک حل نہیں ہو سکا کہ اس کی موت کا موجب کیا تھا۔ آیا وہ کسی سازش کا شکار ہوا تھا اور اس سازش میں کون کون شامل تھے۔ یا کسی دشمن نے اُسے زہر دے دیا، اور وہ کون سا ایسا دشمن تھا جس نے ذاتی انتقام کو ملک اور صوبے کے مفاد پر ترجیح دی اور پنجاب کو ایک لائق، مدبر اور منتظم کی خدمات سے محروم کر دیا۔ اس کی وفات کی جو تفصیلات معاصر اور قریب العہد مورخین نے پیش کی ہیں، ان سے مغلانی بیگم کی دانائی اور تدبر کا ایک ایسا پہلو بخوبی نمایاں ہوتا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ ایک باحوصلہ خاتون جب پیچیدہ اور الجھے ہوئے حالات کی عقدہ کشائی کے لیے کمربستہ ہوتی ہے تو اس کا ناخنِ تدبیر کس طرح کام کرتا ہے اور اس کی توجہ ذہنی سے نہایت خطرناک حالات کیسے درست ہو جاتے ہیں۔ فتنہ و فساد، بغاوت و شورش کا بحرِ متلاطم کس طرح سکون پذیر ہو جاتا ہے۔

نواب معین الملک لاہور سے آٹھ کوس پر دریائے راوی کے کنارے موضع تلک پور میں کچھ عرصے سے خیمہ زن تھا۔ یہ محرم کا مہینہ تھا۔ ایک دن نواب نے شکار کا ارادہ کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ شکار پر روانہ ہونے سے پیشتر اس نے خواجہ مرزا خان اور دوسرے فوجی جمعداروں کو سکھوں کا تعاقب کرنے کے لیے روانہ کیا۔ شکار سے واپس آنے پر اس نے اپنی تعمیر کردہ گڑھی میں جو موضع آوان (اعوان) میں تھی، پڑاؤ کیا۔ خاصہ نوش کیا، قیلولہ کیا۔ سورج کو آغوشِ شب میں جانے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے کہ وہ خواب سے بیدار ہوا اور اس وقت ایسا اتفاق ہوا کہ اس کا بازو بند ٹوٹ گیا۔ اس میں نہایت قیمتی نگینے جڑے ہوئے تھے، وہ سب فرش پر گر پڑے۔ مسکین اس کا غلام اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے یہ بات نواب کے گوش گزار کی۔ نواب نے ایک ایک کر کے تمام نگینے اٹھائے اور پاس کھڑے ہوئے ایک افسر کے حوالے کیے۔ پھر وہ بیت الراحت (غسل خانے) گیا۔ غسل کیا۔ نمازِ ظہر ادا کی۔ اس کے بعد سبز ولایتی ساٹن کا لباس زیبِ تن کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ گڑھی سے باہر آیا۔ اس وقت خواجہ مرزا حاضر ہوا اور اپنی کارگزاری کی کیفیت پیش کی۔ معین الملک نے اس کی بات کو بڑے غور سے سنا۔ اس کے بعد اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑایا تاکہ وہ اپنی سپاہ کو جا ملے، جو وہاں سے کچھ فاصلے پر خیمہ زن تھی۔ اس نقل و حرکت کے دوران میں

یکایک اس کی طبیعت خراب ہوئی اور لحظہ بہ لحظہ بگڑتی ہی گئی اور آناً فاناً وہ خطرناک طور سے بیمار ہوگیا۔ اطبا کو طلب کیا گیا۔ انھوں نے پوری توجہ سے علاج شروع کیا۔ مگر ان کی حذاقت اور تجربہ کسی کام نہ آیا۔ نواب معین الملک سب کو اپنے گرد روتے اور چیختے چلاتے چھوڑ کر آدھی رات کے بعد ابدی نیند سوگیا۔ اس حادثے کی اطلاع جب فوج کو ملی تو تمام فوج میں کہرام مچ گیا اور صف ماتم بچھ گئی، ہر طرف واویلا اور واحسرتا کا شور برپا ہوگیا۔

مغلانی بیگم اس وقت خاوند کے ہمراہ تھی۔ اس نے صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس صدمۂ جانکاہ میں ہوش و حواس بجا رکھے اور ان خطرناک واقعات کے پیش نظر جو ایسے حالات میں ناگزیر ہوتے ہیں اس نے اختیار اپنے ہاتھ میں لیے اور اپنے خاوند کی نعش چند معتبر آدمیوں کے سپرد کی اور خود سپاہ کو تنخواہ تقسیم کرنے میں مصروف ہوگئی۔ تین دن اور تین راتیں وہ اس کام میں مشغول رہی۔ لالہ خوشونت رائے کا بیان ہے کہ "سپاہ اس (معین الملک) کے خورد سال لڑکے اور اس کی بیوی سے باغی ہوگئی تھی اور اپنی تنخواہ کی رقم مانگتی تھی۔ ان کو کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ وہ اس حد تک شورہ پشت تھے کہ انھوں نے مغلانی بیگم کی مزاحمت نواب کی نعش کے دفن کرنے میں بھی کی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ تنخواہ کا حساب پہلے بے باق اور نواب کے تجہیز و تکفین کا انتظام بعد میں ہو۔ اس طرح دو دن تک جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر مغلانی بیگم نے اپنے ذاتی خزانے سے سپاہ میں تین لاکھ روپیہ تقسیم کیا۔ اور پھر اپنے خاوند کی نعش کو گھوڑا نخاس کے پاس نواب عبدالصمد کے داماد عبدالرحیم کی عمارت میں دفن کیا۔[1] یہ لالہ خوشونت رائے کا بیان ہے مگر دوسرے مورخ کہتے ہیں کہ نواب کی وفات کے چوتھے روز نواب بھکاری خان نے کہا کہ وہ اپنے آقا کی لاش دہلی لے جاکر دفن کرنا چاہتے ہے مگر بیگم مصر تھی کہ اسے لاہور میں دفن کیا جائے۔ اس پر دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔ نواب بھکاری خان نے پانچ سو سپاہی لاش کی حفاظت کے لیے مقرر کیے اور خود اس نے علم بغاوت بلند کیا۔ مغلانی بیگم نے اس کے رویے پر نہایت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا۔ مگر اوسان قائم رکھے اور اپنے تیوروں سے خوف و ہراس کا شائبہ تک ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس نے تمام سرداروں کو اپنے ہاں طلب کیا اور سب واقعات ان کے سامنے

---

[1] تاریخ پنجاب از لالہ خوشونت رائے مخطوطہ پنجاب پبلک لائبریری نمبر ۸۸

رکھے۔ ہندوستانی سرداروں نے بیگم کے بیان سے متاثر ہو کر سر تسلیم خم کر دیا۔ مگر مغل سردار ابھی تک بھکاری خان کے زیرِ اثر تھے۔ وہ بھکاری خان کے ہم نوا تھے اور اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ مغلانی بیگم بڑی سرگرم اور مستعد عورت تھی۔ اس نے دیکھا کہ زبانی باتوں سے کام نکلنا مشکل ہے۔ اس نے قاسم خان کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ مغل سرداروں کا تعاون ہر قیمت پر حاصل کرے۔ اس نے بیگم کو یقین دلایا کہ وہ تعمیلِ ارشاد میں پوری کوشش کرے گا۔ بیگم سے رخصت ہوتے وقت اس نے کہا کہ تمام باغی سرداروں کو اعزاز و اکرام کا وعدہ دلا کر واپس لاتا ہوں مگر میری غیر حاضری میں لاش کی حفاظت کی جائے تاکہ فریقِ مخالف لاش کو لے کر دہلی نہ چلا جائے۔ مغلانی بیگم نے مسکین اور اس کے ساتھ ایک اور سردار کو مقرر کیا کہ لاش کی حفاظت کریں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچ گئے تو بھکاری خان کے ملازم لاش چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئے۔ ادھر قاسم خان کی سعی مشکور ہوئی اور مغل سرداروں کو بہلا پھسلا کر اپنے ہمراہ بیگم کی خدمت میں لے آیا۔ انھوں نے بیگم کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ مگر اس کشمکش کے دوران خواجہ مرزا اپنے تین سو سپاہیوں کے ہمراہ بھکاری خان کے ساتھ ہی رہا۔ اب بیگم نعش لے کر لاہور روانہ ہوئی۔[۵۲]

میر منو (معین الملک) کو شہید گنج کے پاس دفن کیا گیا، جہاں اس کے آثار اب تک موجود ہیں شیر سنگھ کے ایامِ حکومت میں سکھوں نے مذہبی دیوانگی کے تحت اس کی قبر کو مسمار کر دیا۔ قبر کھود دی، اس کی ہڈیوں کو نکالا اور ادھر اُدھر پھینک دیا۔[۵۳]

مغلانی بیگم کے عروج کی ابتدا

قاعدہ اور دستور کے مطابق نظامت کے تقرر کے لیے بادشاہ کی سند کا ہونا لازمی امر تھا، اس لیے نواب معین الملک کی وفات کی اطلاع دہلی بھیج دی گئی۔ احمد شاہ نے خاندانی خدمات کی بنا پر معین الملک کے تین سال کے لڑکے (جس کے منہ سے ابھی دودھ کی بُو آتی تھی) محمود خان کو پنجاب اور ملتان کی نیابت کا عہدہ عطا کیا۔

---

۵۲ خزانۂ عامرہ، ص ۹۸۔ جادو ناتھ سرکار جلد اوّل، ص ۳۴۷۔ احوال آدینہ بیگ، ورق ۴۳۔ تاریخ احمد ص ۹۔ تاریخ سلاطین افغاناں، ص ۱۵۶۔ خوشونت رائے، ص ۸۸۔ فرخ بخش ۳۳ ب

۵۳ لاہور گزیٹیر، ص ۲۸۔ ایڈیشن ۱۸۸۳ء

میر جمال الدین خان، سند، خلعت، جواہرات اور دیگر انعامات لے کر لاہور پہنچا۔ دیوانِ خاص میں دربار ہوا۔ جہاں تقرر کی تمام رسوم باقاعدہ ادا ہوئیں اور منعم کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ گویا انتظامی امور اس کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو تمام قوت و شوکت کا مرکز مغلانی بیگم کی ذات تھی۔ وہ دونوں صوبوں کی مختارِ مطلق تھی، جو چاہتی کرتی۔ کسی امیر یا فوجی سردار کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی۔ ایک یورپی سیاح برن ہیگل دہلی اور پنجاب کے حالات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ:

"دہلی دربار میں ملکی معاملات کی ابتری کا یہ صحیح ثبوت ہے کہ ان مصائب و مشکلات کے ایام میں خورد سال بچوں اور مستورات کو اہم مقامات کی نظامت کے لیے نامزد کیا جاتا ہے۔"[۴]

دہلی سے سند لے لینا کافی نہ تھا۔ پنجاب درحقیقت ابدالی کے ماتحت تھا۔ تیموریوں کا تعلق برائے نام ہی تھا، اس لیے مغلانی بیگم جانتی تھی کہ جب تک ابدالی کی جانب سے سند عطا نہ ہوگی اس وقت تک نہ وہ خود محفوظ ہے اور نہ اس کی اولاد کے حقوق محفوظ ہیں، اس لیے اس نے کوشش شروع کی کہ اُسے دربارِ قندھار سے نظامتِ پنجاب کی سند مل جائے۔ بیگم نے منعم خان کو اپنا رازدار بنایا۔ وہ بھی اس حقیقت سے واقف تھا کہ اس کا عہدہ بھی اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک ابدالی اس سے تعرض نہیں کرتا ہے۔ اس لیے بہتر اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہ بیگم کے ساتھ مل کر کوشش کرے اور اگر کامیابی حاصل ہوگئی تو پھر اُسے کوئی بھی موجودہ عہدے سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اس فیصلے کے بعد انھوں نے جہان خان ناظم پشاور سے درخواست کی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر انھیں پنجاب و ملتان کی نظامت دلوادے۔ خان موصوف نے وعدہ کیا اور دربار قندھار سے سلسلۂ جنبانی شروع کیا، جو بہت جلد بار آور ثابت ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے امین خان کو ناظم اور منعم خان کو اس کا نائب مقرر کیا۔ اس موقع پر بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا۔ شہر میں آئینہ بندی کی گئی اور جشنِ عظیم منعقد ہوا۔ یہ واقعہ جنوری ۱۷۵۴ء میں پیش آیا۔[۵]

(باقی آئندہ)

---

[۴] برن ہیگل کا سفر نامہ۔ ص ۲۶۵ — سرکار، ۱، ص ۴۳۹۔

[۵] خزانۂ عامرہ، ص ۶۸ — تاریخ شاہ عالم، ص ۵